

بھلے زمانے کے نج باکل مختلف ہوتے تھے! (قط اول)

1973 میں میرے والد محترم، راؤ محمد حیات، ایڈیشنل سیشن نج بن گئے۔ اس وقت سے لیکر آج تک عدیہ سے کسی نہ کسی تعلق سے منسلک ہوں۔ جذباتیت کی حد تک عدیہ کی عزت کرتا ہوں۔ مختلف تعیناتیوں کے دوران، مقامی عدیہ کے نج صاحبان، انتظامیہ میں والد محترم کی وجہ سے اپنا نمائندہ سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے عدیہ کے اندر ورنی مسائل، انکے رویے، تکالیف اور انکی راحتیں، ذاتی حیثیت میں بھی معلوم ہیں اور ادارہ کے طور پر بھی۔ یہ تجربہ اپنی سطح پر حد درجہ منفرد ہے مگر کئی بار بہت زیادہ تکلیف دہ بھی۔ آج بھی، والد محترم کے پرانے دوست جنہیں میں نج صاحب لکھتا ہوں، مجھے میرے نام سے نہیں پکارتے، بلکہ نج صاحب کا بیٹا کہتے ہیں۔ کئی سماجی تقاریب میں تو میر اتعارف ہی یہی کروایا جاتا ہے کہ یہ نج صاحب کے بیٹے ہیں۔ حکومت کے مختلف اداروں میں سیکرٹری کے طور پر بھی، ڈپٹی کمشنر کے طور پر بھی اور کمشنر کے طور پر بھی یہی ہوتا رہا۔ یہ تعارف میرے لیے آج بھی باعثِ عزت ہے۔ ٹھیک نصف صدی پہلے کے ججز کی زندگی کا بھی اندازہ ہے اور آج کا بھی۔ یہ تقابلی جائزہ بہت کم لوگ کر سکتے ہیں۔

عرض کرنا چاہتا ہوں۔ 1973 میں نج صاحب کو وحدت کالونی، ملتان میں سرکاری گھر مل گیا۔ کالونی میں بہت سے نج صاحبان رہتے تھے۔ جیسے کچھ گھر چھوڑ کر چوہدری تاج محمد صاحب کا گھر تھا جو پہلے سینئر سول نج تھے۔ بعد میں ترقی پا کر ایڈیشنل سیشن نج ہو گئے۔ کالونی کے شروع میں نبیتاً چھوٹے گھر تھے۔ ان میں حلیم صادق صاحب رہتے تھے جو کہ سول نج تھے۔ اور کون کون رہتا تھا۔ اس وقت ذہن میں نہیں ہے۔ لیکن یہ تین نج صاحبان بہر حال وہیں رہتے تھے۔ ملتان حد درجہ گرم خطہ ہے۔ کسی نج کے گھر میں ائیر کنڈیشننر نہیں لگا ہوا تھا۔ ابیوں کے بنے ہوئے، بڑے بڑے کولر موجود تھے جو جگہ کی مناسبت سے ہر گھر میں صرف ایک تھا۔ کولر دن رات بھی نہیں چلتا تھا۔ پانچ چھٹکھٹوں میں گھر کو معقول حد تک ٹھنڈا کر دیتا تھا۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام گھروں میں آنا جانا رہتا تھا۔ حد درجہ سادگی کا رویہ تھا۔ سواری کا یہ عالم تھا کہ حلیم صاحب کے پاس نیلے رنگ کا پرانا ساسکوٹر تھا جس پر وہ اور انکے اہل خانہ بڑے آرام سے سفر کرتے تھے۔ چوہدری تاج صاحب، سائیکل پر دفتر جاتے تھے۔ بعد میں انہیں ایک موٹر سائیکل مہیا ہو گئی تھی۔ عدالتی اوقات کے بعد، یہ موٹر سائیکل چوہدری تاج صاحب کا بیٹا شکیل ہمارے پاس لے آتا تھا۔ اس پر کالونی کے چکر لگاتے تھے۔ جیسے ہی چوہدری تاج محمد کے اٹھنے کا وقت ہوتا تھا، موٹر سائیکل، گھر میں کھڑا کر کے، دبے پاؤں واپس آ جاتے تھے۔ اکثر جگہ موٹر سائیکل کا پیڑوں ختم ہو جاتا تھا۔ میرے والد کے پاس 1968 ماذل کی ٹیوٹا گاڑی تھی۔ اس گاڑی کی وجہ صرف یہ تھی، کہ نج بننے سے پہلے والد صاحب، لائل پور کے کامیاب وکیل تھے۔ یہ گاڑی وکالت کے زمانے میں، سترہ ہزار روپے میں خریدی تھی۔ نج بننے کے بعد، طویل عرصے تک، شاہد انہیں بیس سال تک، انکے مالی وسائل اتنے محدود تھے کہ اپنی گاڑی تبدیل نہ کر سکے۔ ہاں ایک انتہائی اہم بات۔ شیخ وحید صاحب، ملتان میں سیشن نج تھے۔ اکثر، والد صاحب کے ساتھ وہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ نج صاحب کے پاس ایک انتہائی پرانی گاڑی تھی۔ پرانی کالفظ صورتحال کی صحیح عکاسی نہیں کرتا، یہ قدیم گاڑی تھی۔ اکثر جگہ رُک جاتی تھی۔ میں نے کئی بار، اسکو دھکا لگا کر شہزاد

کروایا تھا۔ نج صاحبان کی اکثریت، سائیکل پر فتر آتی تھی۔ عدالت کے باہر ایک نائب قادر کھڑا ہوتا تھا۔ وہ نج صاحب کی سائیکل سنبھالتا تھا۔ نج صاحبان سائیکل سے اس اعتماد سے اترتے تھے جیسے ہوائی جہاز سے اتر رہے ہیں۔ دراصل یہ سادگی اور ایمانداری کی اندر وہی طاقت تھی جو انہیں حد درجہ خود اعتمادی بخشی تھی۔ مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہا۔ چند دہائیاں پہلے کے نج، حد درجہ سادہ زندگی گزار رہے تھے۔

ہاں، ایک دلچسپ بات، نج صاحبان کی آپس میں حد درجہ دوستی ہوا کرتی تھی۔ تعلیم کے سلسلے میں، ہم لوگ لائل پور رہتے تھے۔ والدہ، گرلز کالج، فیصل آباد میں لیکچر ارٹھیں۔ ملتان میں نج صاحب اکیلے رہتے تھے۔ ہم چھٹیوں اور مختلف موقع پر ملتان جاتے رہتے تھے۔ وحدت کالونی میں مختلف نج صاحبان، ایک جڑے ہوئے خاندان کی طرح رہتے تھے۔ اکثر اوقات ایک وقت کا کھانا، اپنے اپنے گھروں سے منگوا کر اکٹھے کھاتے تھے۔ سماجی طور پر ایک دوسرے کے بہت نزدیک تھے۔ بالکل ایک خاندان کی طرح۔ مہینے کے آخر میں سب کی تخلوہ ختم ہو جاتی تھی۔ اکثر، دوسرے سے چھوٹا موٹا قرض لے لیتے تھے۔ سو، دوسرو پیسے۔ یہ پہلی تاریخ کو سیقے سے واپس کر دیا جاتا تھا۔ ہاں، تمام نج صاحبان کے بچے سکول اور کالجوں میں تانگوں یا سائیکلوں پر جایا کرتے تھے۔ کسی قسم کا کوئی احساسِ مکتنی نہیں تھا کہ اس سکول میں بچے، گاڑیوں پر آرہے ہیں اور ہم تانگوں میں براجمان ہیں۔ شیخ وحید صاحب کے معاملات بھی بالکل ایسے ہی تھے۔ سیشن ہاؤس، وحدت کالونی سے قدرے فاصلے پر تھا۔ تقریباً سو سال پرانا گھر۔ شیخ صاحب بھی انتہائی ایمانداری سے، محدود وسائل میں زندگی گزارتے تھے۔ سیشن ہاؤس میں عام سی کرسیاں اور بالکل ستاسافرنیچر موجود تھا۔ انکی تخلوہ بھی دوسروں کی طرح، مہینے کے آخر میں ختم ہو جاتی تھی۔ پھر وہی۔ دو تین سور و پیسے قرضہ اور پھر وہی، پہلی تاریخ کو واپس۔ یہ حد درجہ عجیب سے لوگ تھے۔ ایمانداری اور اصولوں کے ذریعہ مركب میں شراب اور افراد۔ انکی عیاشی کی حد کیا ہوتی تھی۔ مہینے، دو مہینے میں، شیخ وحید صاحب، میرے والد، چوہدری تاج صاحب اور ایک دونج صاحبان، ملتان کینٹ میں کھانے کے ہوٹل بلکہ دکان پر جایا کرتے تھے۔ نام شاائد ملوڑی مرغ پر اٹھایا اسی طرح کا تھا۔ اسکے سامنے ایک طویل لگتی تھی۔ نج صاحبان کیلئے لگتی تھیں۔ یہ تقریباً انہیں میں ملکر کھانا کھاتے تھے۔ خوش گپیاں ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی تھقہے بھی سننے میں آتے تھے۔ میں اس محفل کا سب سے جو نیبر بلکہ اعزازی مہمان تھا۔ بل دینے کیلئے اکثر اوقات، پیسے میں جل کر اکٹھے کر لیتے تھے۔ صاحبان، یا ان نج صاحبان کی عیاشی تھی۔

ایک دن معلوم نہیں کیا ہوا۔ ہم تمام لوگ گاڑی میں بیٹھ کر کینٹ آئے تھے۔ شیخ وحید صاحب نے کوئی چیز خریدنی تھی۔ ملتان کینٹ میں ہی کونے میں گاڑی کھڑی کر کے، تینوں نج صاحبان سڑک عبور کر رہے تھے۔ ٹریفک جاری و ساری تھی۔ اچانک کسی گاڑی میں بیٹھے شخص نے ان صاحبان کو پہچان لیا۔ اس نے اپنی گاڑی بند کر کے ایک طرف لگا دی۔ رش کا علاقہ تھا۔ چند لوگوں نے ان جوگوں کو پہچان لیا۔ میں آخر میں چل رہا تھا۔ کیا آپ یقین فرمائیں گے کہ سڑک پر ٹریفک خود بخود نجیم ہو گئی۔ جب تک ان لوگوں نے سڑک عبور نہیں کی، مکمل خاموشی رہی۔ یہ صرف اور صرف عزت و احترام کا تقاضہ تھا۔ نہ کسی سرکاری اہلکار نے ٹریفک روائی یا بذاتِ خود، ان لوگوں نے ایسی فرماں شکی۔ یہ محترم واقعہ میں نے خود دیکھا ہے۔ اسکا چشم دیدگواہ ہوں۔ عام لوگوں میں عدیہ کا دل سے احترام تھا۔ یہ کسی توہین عدالت کے

قانون کے تحت نہیں تھا۔ بلکہ لوگوں کے اندر ان نجح صاحبان کی تو قیر کا نتیجہ ہے۔ یہ عزت، ڈنڈے کے زور پر نہیں کروائی جاسکتی۔ بلکہ یہ عزت بالکل ہی نہیں کروائی جاسکتی۔ یہ شخصیات کے علاوہ ادارہ کی بھی حرمت کا احساس دلاتی ہے۔ کیا آج، کوئی اس پر یقین کریگا۔ شائد نہیں۔ اگر میں نے خود نہ دیکھا ہوتا، تو میں اس پر خود یقین نہ کرتا۔

اچھا، ایک اور اندر وون خانہ بات۔ نجح صاحبان، سماجی طور پر انہائی اکیلے زندگی گزاراتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کوڈ آف کنٹرکٹ ہو۔ یا شائد یہ لوگ اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ یقین فرمائیے۔ وحدت کا لونی میں رہنے والے نجح صاحبان اور شیخ وحید صاحب کے گھروں کے حالات جانتا ہوں۔ مہمان داری نہ ہونے کے برابر تھی۔ والد صاحب کے گھر میں، انکے دوست نجح صاحبان کے علاوہ صرف دو مہمان آتے تھے۔ ایک ماموں مسرت، جوان دنوں ملتان میں ہی تھے۔ اور ایک کرمل قمر جو اس وقت لیفٹینٹ تھے، پچاس سی سی موڑ سائیکل پر تشریف لاتے تھے۔ یہ بھی ہمارے قریبی عزیز تھے۔ انکے علاوہ، گھر میں کوئی تیسرا مہمان نہیں دیکھا۔ حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ فسانہ نہیں سنارہا۔ نجح صاحبان، بالکل تن تہازنڈگی گزاراتے تھے۔ کوئی مخلیں نہیں۔ کوئی دعویٰ نہیں۔ کوئی لوگوں کے گھر آنا جانا نہیں۔ سوچتا ہوں تو لگتا ہے کہ اتنی تہازنڈگی گزارنا آزاد مشکل ہے۔ شائد بہت ہی مشکل۔ ہاں، کبھی کبھی والد صاحب کے ایک پرانے دوست، فیض رسول صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ ان دنوں شائد مظفر گڑھ کے سیشن نجح تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ میرے والد گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ گھر آتے ہی، ایک بیڈروم پر قبضہ کر کے سامان رکھتے تھے اور خود ہی کچن میں جا کر کھانا کھانا شروع کر دیتے تھے۔ انہائی سادہ انسان۔ کسی بھی ریا کاری سے محروم۔ فیض صاحب، دو تین دن قیام کر کے، بڑے آرام سے واپس چلے جاتے تھے۔ کھانے پر کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ وہی کھانا جو گھر میں پکا ہوا ہے، وہی سب کھاتے تھے۔ بڑے زور سے بولتے تھے اور قہقہے لگاتے تھے۔ خدا، انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ بھرپور جوانی میں ٹریک حادثہ کا شکار ہو گئے۔ اور ہاں، گھروں میں سادہ سا کھانا بنتا تھا۔ صرف ایک سالن۔ دو پہر کو بھی چلتا تھا اور رات کو بھی وہی کھانا کھایا جاتا تھا۔ تین چار کھانوں کا کوئی رواج نہیں تھا۔ کبھی عام سے ترکاری، کبھی دال اور کبھی گوشت۔ تمام گھروں کا یہی حال تھا۔ میرے والد، نجح بنے سے پہلے انہائی متمول وکیل تھے۔ بہترین کپڑے پہنتے تھے۔ نئی گاڑی میں سفر کرتے تھے۔ مگر نجح بنے کے بعد ہمارے گھر کے حالات حد درجہ سادہ ہو گئے۔ والد کے لیکھار ہونے کی وجہ سے تنخواہ ملتی تھی اور نجح صاحب اور والدہ صاحبہ کی تنخواہ ملا کر گھر چلتا تھا۔ میری والدہ کو نجح صاحب کی تنخواہ کا علم تھا۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ وکالت اور نوکری میں بہت فرق ہے۔ میں نے کبھی بھی، والدہ صاحبہ، کو نجح صاحب سے پیسوں کا تقاضہ کرتے نہیں دیکھا۔ آج کی بیگمات صبر کا یہ سبق شائد نہ سوچ پائیں۔ نجح بنے کے بعد، ہمارا رہن سہن بہت زیادہ سادہ ہو گیا تھا۔ صرف ایک امر پر نجح صاحب اور والدہ نے کھل کر خرچ کیا۔ ہماری تعلیم۔ میں، چھوٹی بہن نائیلہ اور چھوٹا بھائی مبشر، اچھے سکولوں اور کالجوں میں پڑھے۔ ویسے میں کیڈٹ کالج سے لیکر کنگ ایڈورڈ کالج تک سرکاری وظیفہ پر پڑھا۔ یہ صرف پیسے نمایاں تعلیمی کارکردگی دکھانے والے بچوں کو ملتے تھے۔ (جاری ہے)۔